علم منطق ــــــ ایک جائزہ

(۵)

جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم، اے، ایل، ایل بی
سابق رجسٹرار امتحانات عربی، فارسی اتر پردیش علیگڑھ

اس سے زبوں تر حال ہندوستانی فلسفہ کا تھا۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور (۱۳۶۔ ۱۵۸ھ) کے زمانہ سے اسلام میں حکمی سرگرمیوں کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ اسی زمانے میں ہندوستان کا ایک علمی وفد غالباً "برہم سدھانت" کا ایک نسخہ لے کر دربار میں پہونچا۔ خلیفہ کے حکم سے اس کا عربی میں ترجمہ بھی کرایا گیا۔[1] لیکن خود منصور کو جس کا ابتدائی زمانہ مختلف علوم سے واقف طبقہ کتّاب کے ساتھ گزرا تھا اور اس لئے وہ مختلف اقوام و امم کی علمی عظمت سے اچھی طرح واقف تھا، جب خود منصور کو علوم حکمیہ کی ترویج و اشاعت کا شوق دامنگیر ہوا تو اس نے نہ تو اپنے ایرانی حمایتیوں سے ان کے قومی علوم کے احیاء کے لئے کہا اور نہ ہندوستان سے ان علوم کی کتابوں کو منگوایا، بلکہ قیصر روم کو لکھا کہ وہ ریاضی و طبعیات کی کتابیں عربی میں ترجمہ کرا کر بھیج دے انھیں پڑھ کر مزید یونانی علوم کی کتابیں حاصل کرنے کا فضلائے وقت میں شوق پیدا ہوا ابن خلدون لکھتا ہے :-

"فبعث ابوجعفر المنصور الی ملک الروم ان یبعث الیہ بکتب التعالیم مترجمۃ فبعث الیہ بکتاب اُقلیدس و بعض کتب الطبیعیات فقرأوھا المسلمون واطلعوا	پس خلیفہ ابوجعفر منصور نے بادشاہ روم کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ریاضی کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرا کر اسے بھیج دے۔ پس بادشاہ روم نے اسے اقلیدس کی کتاب الاصول طبیعیات کی بعض کتابیں بھیج

(۱) قاضی صاعد اندلسی: طبقات الامم

علی ما فیہا فان داد واحرصا علی الظفر
بما بقی منہا" (۱)

انھیں مسلمانوں نے پڑھا اور ان کے محتویات پر اطلاع پائی۔ اس سے ان کتابوں کے لئے جو باقی رہ گئی تھیں' ان کا شوق بڑھ گیا۔

ہارون الرشید کے عہد خلافت (۱۷۰ - ۱۹۳ھ) میں منصب وزارت اور اس طرح قلمرو ے خلافت کے نظم و نسق پر برمکی خاندان چھایا ہوا تھا جو کشمیری نژاد اور ہندوستانی الاصل تھا جیسا کہ ان کے خاندانی نام "برمک" (پرمکھ [illegible]) سے ظاہر ہے۔ انھیں فطرتاً ہندوستان اور اس کے حالات سے غیر معمولی دلچسپی تھی چنانچہ ابن الندیم لکھتا ہے:

"الذی عنی بامر الھند فی دولۃ العرب
یحیی بن خالد و جماعۃ البرامکۃ واھتمامھا
بامر الھند واحضارھا علماء
طبھا وحکماءھا" (۲)

عربوں کے عہد حکومت میں جس شخص نے "ہندوستانیات" کے ساتھ اعتنا اور اہتمام برتا وہ ہارون کا برمکی وزیر یحیٰی بن خالد تھا نیز برمکی خاندان کے افراد کی جماعت تھی۔ انھوں نے ہندوستان کے حالات کے ساتھ اہتمام کیا اور وہاں کے طب کے علماء اور حکماء کو بلایا۔

لہذا یحیٰی بن خالد نے ایک شخص کو ہندوستان بھیجا تاکہ وہاں سے اس ملک میں پیدا ہونے والی جڑی بوٹیاں لائے، نیز وہاں کے مذاہب کے بارے میں تحقیقات کر کے آئے، چنانچہ ابن الندیم نے کندی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک کتاب سے نقل کیا ہے:-

"حکی بعض المتکلمین بان یحیٰی بن خالد
البرمکی بعث برجل الی الھند لیاتیہ
بعقاقیر موجودۃ فی بلادھم وان یکتب
لہ ادیانھم" (۳)

بعض متکلمین نے حکایت بیان کی ہے کہ یحیٰی بن خالد برمکی نے ایک شخص کو ہندوستان بھیجا تاکہ وہ وہاں سے وہ جڑی بوٹیاں لائے جو وہاں کے شہروں میں ملتی ہیں، نیز ان کے مذاہب کی تفصیل قلم بند کرے

انھوں نے ہندوستانی اطباء کو بلا کر نہ صرف اپنی سرکار ہی میں عزت و احترام کے ساتھ رکھا، بلکہ خلیفہ وقت کے یہاں بھی باریاب کرایا۔ انھیں کی سفارش سے صالح بن بہلہ خلیفہ

(۱) ابن خلدون، مقدمہ (۲) ابن الندیم: کتاب الفہرست (۳) ایضاً

ہارون الرشید کے چچا زاد بھائی کے علاج پر مامور ہوا۔ انھوں نے اپنا مشہور شفاخانہ بھی ایک ہندوستانی طبیب ابن دھن (؟ دھنونتری) کے زیر انتظام کر دیا تھا، چنانچہ ابن ندیم اس طبیب کے تذکرے میں لکھتا ہے۔

"ابن دھن الھندی، وکان الیہ بیمارستان البرامکۃ۔ نقل الی العربی من اللسان الھندی" (۱)

ابن دھن (دھنونتری؟) ہندی: برامکہ کا شفاخانہ اسی کے زیر انتظام تھا۔ اس نے ہندوستانی زبان سے عربی میں ترجمے کئے۔

ابن دھن ہی نے "کتاب استانگرد" اور "کتاب سندستاق" کا عربی میں ترجمہ کیا۔ برامکہ ہی کے ایما سے ایک دوسرے ہندوستانی طبیب منکہ نے ششرد کی کتاب کا توضیحی ترجمہ کیا۔ اور کتاب شفاخانہ میں کناش (؟ گائیڈ بک) کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ یونانی طب کا سرمایہ معتد بہ مقدار میں عربی زبان کے اندر منتقل نہ ہوا تھا تیسری صدی میں جب اطبائے یونان کی تصانیف عربی زبان میں ترجمہ ہوگئیں تو پھر ہندوستانی طب کو نظر انداز کر دیا گیا۔

مگر برامکہ کو بھی طب کے علاوہ ہندوستان کے دیگر علوم سے کوئی دلچسپی نہ تھی انھوں نے نہایت سنجیدگی سے یہ محسوس کر لیا تھا کہ تنازع للبقا کی دوڑ میں ہندوستانی فلسفہ حکمت میں باقی رہنے کی سکت نہیں ہے۔ چنانچہ ہندوستانی فلسفہ کی کسی کتاب کے ساتھ برامکہ کی وابستگی اور شغف کا کہیں کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ اس کے برعکس یونانی فلسفہ کے ساتھ ان کی عقیدت کے تذکرے محفوظ ہیں، چنانچہ ان کے متوسلین میں ایک دانشمند مترجم سلام الابرش کا تذکرہ ملتا ہے جس نے ارسطو کی "سماع طبیعی" کا ترجمہ کیا تھا۔ ابن الندیم لکھتا ہے :۔

"سلام الابرش من النقلۃ القدماء فی ایام"

سلام الابرش قدیم مترجموں میں سے ہے وہ برامکہ کے زمانہ (۱۷۰ – ۱۸۳ھ)

---

(۱) ابن ندیم کتاب الفہرست

البرامکہ ویوجد بنقلہ السماع الطبیعی" (۱)

میں تھا "سماع طبیعی" کا اس کا کیا ہوا ترجمہ (ابن ندیم کے زمانہ میں) پایا جاتا ہے۔

اسی طرح "طبقات المعتزلہ" میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جعفر بن یحیٰی بن خالد کی مشہور معتزلی متکلم نظام سے ملاقات ہوئی اور اثنائے گفتگو میں ارسطو کی ایک کتاب (غالباً کتاب الحدوث) کا ذکر آیا جس کی عظمت سے یحیٰی اتنا متاثر تھا کہ اسے انتہائی مشکل الفہم سمجھتا تھا۔ مگر نظام نے نہ صرف اسے حل کر دیا، بلکہ اس کی تردید بھی کر دی۔

"وذکر جعفر بن یحیی البرمکی ارسطا طالیس فقال النظام قد نقضت علیہ کتابہ فقال جعفر کیف وانت لا تحسن ان تقراہ ..." (۲)

جعفر بن یحیٰی برمکی نے (ایک دن اثنائے گفتگو میں) مشہور متکلم نظام سے ارسطو کا ذکر کیا۔ نظام نے کہا میں تو اس کی کتاب کا رد بھی کر چکا ہوں۔ جعفر نے کہا ایسا کیسے ہو سکتا ہے تم تو اسے ڈھنگ سے پڑھ بھی نہیں سکتے۔

ان امثلہ سے یونانی فلسفہ وحکمت کے ساتھ اس ہندوستانی الاصل برمکی خاندان کے اعتنا و اہتمام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ ہندوستانی علوم (مثلاً ریاضی و ہیئت) کے مقابلے میں برامکہ کو یونانی علوم کی افضلیت و افادیت کا احساس تھا۔ اور اس لئے ہر چند کہ ہندوستانی کی ہیئت کی کتاب کا عربی میں ترجمہ ہو چکا تھا جیسا کہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے سلسلے میں ابھی ذکر ہو چکا ہے اور اس ترجمہ کو وقتی مقبولیت بھی حاصل ہوئی تھی جیسا کہ قاضی صاعد کا کہنا ہے۔

"فکان اھل ذلک الزمان یعملون بہ الی ایام الخلیفۃ المامون" (۳)

اس زمانہ کے لوگ خلیفہ مامون کے عہد تک سدھانت کے اسی ترجمہ پر عمل کرتے تھے۔

---

(۱) ابن الندیم: کتاب الفہرست صفحہ (۲) المنیۃ والامل: باب ذکر المعتزلہ (۳) قاضی صاعد اندلسی: طبقات الامم

مگر خود یحییٰ برمکی اس کی افادیت سے اتنا مایوس تھا کہ اس نے کبھی بھول کر بھی اس کتاب کا یا ہندوستانی ہیئت کی کسی اور کتاب کا نام تک نہیں لیا، بلکہ اس کے مقابلے میں یونانی ہیئت کے شاہکار "کتاب المجسطی" کی طرف توجہ کی اور بڑی کوشش و اہتمام سے اس کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ چنانچہ ابن الندیم المجسطی کے عربی ترجمہ کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"الکلام علی کتاب المجسطی ... و اول من عنی بتفسیرہ و اخراجہ الی العربیۃ یحییٰ بن خالد بن برمک ففسرہ لہ جماعۃ فلم یتقنوہ ولم یرض ذلک۔ فندب لتفسیرہ اباحسان و سلم صاحب بیت الحکمۃ فاتقناہ واجتہدا فی تصحیحہ۔" (۱)

کتاب المجسطی ... جس شخص نے سب سے پہلے اس کی تفسیر اور عربی میں اسے ترجمہ کرانے کے کام سے دلچسپی لی یحییٰ بن خالد برمکی تھا۔ بس ایک جماعت نے اس کی فرمائش پر اس کی تفسیر کی مگر کما حقہٗ نہ کرسکے۔ لہٰذا یحییٰ بن خالد برمکی نے اس کی شرح و تفسیر کے لئے ابا حسان اور سلم لائبریرین کو بلایا۔ انھوں نے اس کام کو بڑی اچھی طرح انجام دیا اور اس کی تصحیح میں بہت زیادہ کوشش کی

غالباً برامکہ ہی کے ایماء سے حجاج بن یوسف بن مطر نے "اصول اقلیدس" کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ چنانچہ جب خلیفہ مامون کے عہد میں دوبارہ حجاج نے اس کتاب کا ترجمہ کیا تو اس کے مقدمہ میں لکھا:۔

"ہارون الرشید کے عہد خلافت میں یحییٰ بن خالد بن برمک کے ایماء سے حجاج اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کرنے پر مامور ہوا" اور جہاں تک **منطق** کا تعلق ہے، باوجودیکہ برامکہ کے اسلاف بودھ مت کے پیشوا تھے اور بودھ فرقہ نے ہندوستانی منطق کی ترقی میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔ مگر خود یحییٰ اور برمکی خاندان کے دوسرے افراد نے کبھی بھول کر بھی اس کا نام نہیں لیا۔ اس سلسلے میں بھی ان کی دلچسپی اور اعتنا یونانی (ارسطاطالیسی) منطق ہی کے

---

(۱) ابن الندیم: کتاب الفہرست صفحہ

ساتھ برقرار رہے چنانچہ ہرچند کہ ان سے پہلے دو مرتبہ ارسطا طالیسی منطق کی پہلی تین کتابوں یعنی "قاطیغوریاس" "باری ارمینیاس" "انالوطیقائے اولیٰ" نیز فرفوریوس کی ایساغوجی کا عربی میں ترجمہ ہوچکا تھا، پہلا ترجمہ عبداللہ بن المقفع نے اور دوسرا ابونوح کاتب نصرانی نے کیا مگر یحییٰ بن خالد برمکی کے ایمار سے مشہور مترجم سلمائے حرانی نے اس کا تیسری مرتبہ غالباً اصل یونانی سے ترجمہ کیا جیسا کہ اس کتاب کے مخطوط برلن کے ترقیمہ میں مذکور ہے۔

"تمت الکتب الثلاثہ من ترجمۃ محمد عبداللہ المقفع وقد ترجمہا بعد محمد ابونوح الکاتب النصرانی ثم ترجمہا بعد ابی نوح سلم الحرانی صاحب بیت الحکمۃ لیحیی بن خالد البرمکی" (۱)

اس تفصیل سے واضح ہوجاتا ہے کہ اگر اکابر فضلائے اسلام کی جوہرشناس نگاہوں نے امم قدیمہ کے ثقافتی ورثوں میں سے صرف یونانی علوم ہی کو اپنی علمی و حکمی سرگرمیوں کی اساس کے لئے منتخب کیا تو اس میں کسی قسم کی جنبہ داری کا شائبہ نہیں تھا۔ دوسری قوموں کے ثقافتی ورثوں میں یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ وہ تنازع للبقا کی مسابقت میں سماج کے ترقی پسند تقاضوں کا ساتھ دے سکیں۔

بہرحال یونان قدیم کا یہ بیش بہا سرمایہ نہ صرف مقدار و کمیت ہی میں وافی و وافر تھا، بلکہ خوبی و نفاست اور جودت کیفیت میں بھی انسانی ذہانت کا شاہکار تھا۔ قسّامِ ازل نے یہ شرف صرف یونانی عبقریت ہی کے نصیب میں مقدر کیا تھا اور اسی چیز نے اسے قبولِ عام و بقائے دوام عطا کیا۔ لہٰذا مورخین اسلام نے بھی کمال فراخ دلی کے ساتھ یونانی علوم کی عظمت کو سراہا ہے، چنانچہ قاضی ساعد اندلسی نے لکھا ہے :-

"فلاسفۃ الیونانیین ارفع الناس طبقۃ — یونانی فلاسفہ کا طبقہ لوگوں میں بلند تر اور ان کا

---

(۱) ڈاکٹر عبدالرحمٰن بدوی: التراث الیونانی فی الاسلام

واجل اهل العلم منزلة طائفة منهم الاعتناء بالصحيح لفنون الحكمة من العلوم الرياضية والمنطقية والالهية والسياسية المنزلية والمدنية ۔"

مرتبہ اہل علم میں بزرگ تر ہے کیونکہ ان سے فلسفہ و حکمت کے مختلف فنون یعنی ریاضیات، منطق، الٰہیات تدبیر منزل اور سیاست مدن کے سلسلے میں اعتنار صحیح ظہور میں آیا تھا یعنی انھوں نے ان علوم سے سائنٹفک انداز میں بحث کی تھی۔

اسی طرح ابن خلدون لکھتا ہے :-

" واما الروم فكانت الدولة منهم لليونان اولاً وكان لهذه العلوم بينهم مجال رحب وحملها مشاهير من رجالهم مثل اساطين الحكمة وغيرهم "

جہاں تک اہل روم کا تعلق ہے تو سب سے پہلے ان میں سے یونانیوں کو اقتدار حکومت نصیب ہوا۔ ان کے یہاں ان علوم کا بڑا چرچا تھا اور ان کے مشاہیر اہل کمال نے انھیں حاصل کیا جیسے اکابر حکماء وغیرہ۔

فضلائے اسلام کی ان تصریحات کو کسی طرح بھی مبالغہ و اطراء پر محمول نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس باب میں عہد حاضر کے محققین بھی ان کے ہمنوا ہیں، چنانچہ ایک مشہور مورخ osbarn Taylor[2] اپنی کتاب Medival Mind میں یونان کی علمی و ثقافتی برتری کے بارے میں لکھتا ہے :-

" یونانیوں کے علاوہ اور کون سی قوم ہے جس نے فطرت اور حیات انسانی کے حقائق کو زیادہ خوش اسلوبی سے سمجھا ہو؟ زیادہ قدیم یونانی فلسفوں کا آغاز محسوس، مرئی کائنات کے غیر متعصبانہ اور کھلے ہوئے دماغ سے کئے ہوئے مشاہدات سے ہوا تھا۔ یہ (صحیح معنوں میں) طبیعیاتی تحقیقات (کا مصداق) تھے "(1)

---

(1) What race had ever a genial appreciation of the facts of nature and of mortal life, more than the Greeks. The older Greek philosophies had sprung from open and unprejudeced obser-vations of visible world. They

اسی طرح پروفیسر تھلی یونانی فلسفہ کی اہمیت و عظمت کے بارے میں رقمطراز ہے:۔

"یونانیوں نے نہ صرف ان اصولی نظریات کی بنیاد ڈالی جن پر بعد میں مغرب کے تفکیری نظاموں کی تعمیر ہوئی بلکہ انھوں نے تقریباً ان تمام مسائل کی تشکیل کی، نیز ان تمام حلوں کی طرف رہنمائی کی جن کے اندر یورپی ثقافت دو ہزار سال سے مشغول رہی ہے۔ ان کا فلسفہ سادہ، دیو مالائی ابتداؤں سے انتہائی لطیف و پیچیدہ اور جامع نظاموں تک انسانی فکر کے ارتقا کی بہترین مثال ہے۔ جس حریت فکر اور حق پسندی کے جذبے نے اس کے مفکرین کی تفکیر کو گرمائے رکھا ہے، آج تک اس سے بڑھ کر کسی دوسری قوم میں نہیں دیکھا گیا بلکہ شاید ہی کسی اور قوم میں ان جیسے جذبات رہے ہوں۔" (۱)

اسی طرح ویبر یونانی بالخصوص ارسطا طالیسی منطق کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"یہ صحیح ہے کہ وہ (ارسطو) پہلا شخص نہیں ہے، جس نے منطق کے تمام اصولوں کو دریافت کیا ہو.... لیکن ان تمام اجزاء کو مرتب اور مدون کرنے کے لئے ایک ارسطوی کے دماغ کی ضرورت تھی جو انھیں مکمل کر دے اور استخراجی منطق کے نظام میں منضبط کر دے۔" (۲)

اسی طرح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا ایک آرٹیکل نویس "جیومیٹری" کے زیر عنوان لکھتا ہے:۔

"جومیٹری کی اشکال ایسے سلسلے میں جیسا کہ اقلیدس سے ہم تک پہونچا ہے پیش کرنے کی پہلی جامع اور منظم کوشش تمام ادبی کاوشوں میں سب سے زیادہ شہرت کی مستحق ہے ہماری مراد اقلیدس اسکندرانی کی کتاب الاصول سے ہے.... آج سے تقریباً ایک نسل پہلے تک اس قدیم تصنیف کے کم و بیش لفظی تراجم درسی کتاب کی حیثیت سے انگلستان

---

were physical enquiries." (بقیہ حاشیہ صفحہ سابق)
(Osborn Taylor: Medivael Mind, Vol I P. 34)
(1) Thilly: History of Philosophy, P. 8
(2) Weber History of Philosophy.

کے تمام پبلک اسکولوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ عہد حاضر میں تمام ممالک کے اندر جومیٹری کی جو درسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں وہ اصول اقلیدس ہی کی تسہیل ہیں۔"

اسی طرح یونانیوں کے ہیئتی کمالات کے ضمن میں لکھتا ہے کہ پرنیکس اور نیوٹن کے نئے شمسی مرکزی نظریہ کے اکتشاف نے عملی طور پر انسان کو کوئی فائدہ نہیں پہونچایا۔ علم ہیئت کا سب سے بڑا فائدہ وقت شماری اور تقویم اور کلنڈر کی درستی ہے اور آج جو دنیا میں سن مسیحی کا کلنڈر مروج ہے، اس کی اصلاح میں جدید علم الہیئت کا کوئی ہاتھ نہیں ہے، اسے انہیں لوگوں نے آخری شکل دی تھی جو قدیم (یونانی) علم الہیئت کے ماہرین تھے۔ آخر میں وہ کہتا ہے:-

"اگر قدماء کو دوربین اور گھڑی (کلاک) کا بھی علم ہوتا تو ہرچند کہ وہ قدیم ارض مرکزی نظریہ ہی پر جمے رہتے تاہم ان کے علمی طریقے تقریباً تمام عملی اغراض کے لئے کافی ہوتے۔" (۱)

آگے چل کر کہتا ہے:-

"ہرچند کہ قدماء کا علم الہیئت جدید فلکیات کے مقابلے میں کمتر صحت کا حامل اور کم جامع تھا، لیکن انسانی معاملات پر زیادہ قریبی طور پر موثر ہوتا تھا اور ان تمام شخصوں پر حاوی تھا جو انسان کے لئے مفید ہیں۔"

(1) If the Ancient had known the telescope and the cloxk, their scienti-fic methods would have sufficed for nearly all practical purpose, although they might held to the Geocestric hypoll-esis.

اور اس یونانی علم الہیت کی معراجِ کمال بطلمیوس کی "کتاب المجسطی" تھی، چنانچہ یہی مصنف کہتا ہے:۔

"جہاں تک اس کی کتاب اور نظام کے نظم و ترتیب کا تعلق ہے، بطلمیوس یونانی ہیئت دانوں مثلاً ایوذوکس اقلیدس، ارشمیدس، ابلونیوس اور ابرخس کے ریاضیاتی مکتبِ فکر کا اتباع کرتا ہے۔" (۱)

یہی بات اپنے یہاں ابن القفطی نے کہی تھی:۔

"والی بطلمیوس ھٰذا انتھی علم حرکات النجوم.... وغیرہ اجتمع ماکان متفرقاً من ھذہ الصناعة بایدی الیونانیین والروم.... وبه انتظم شتیتھا وتجلی غامضھا۔ (۲)

اسی بطلمیوس پر ستاروں کی سیر و گردش دریافت کرنے کا علم اپنے نقطۂ عروج پر پہونچا.... یونانی اور رومی ماہرینِ فلکیات کے یہاں اس علم کے جو اجزاء متفرق طور پر دریافت ہوئے تھے، اُس (بطلمیوس) کے یہاں منظم طور پر جمع ہو گئے اور اسکے غوامض واضح ہو گئے۔

آگے چل کر ابن القفطی اس ہیئتی شاہکار کی عظمت کے بارے میں کہتا ہے کہ قدیم و جدید عالمی ادب میں سوائے تین کتابوں کے اور کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو موضوع زیرِ بحث کے جملہ مسائل پر حاوی ہو۔ اور ان تین کتابوں میں اولیت کا درجہ بطلمیوس کی "کتاب المجسطی"

---

(1) Plolemy, As to the outlines of his system threads closely in the Foolsleps of the mathematical school of Greek Astronomers, of Eudoxes Enclid, Archemedes, Apdllonis and He pparchus.

(۲) ابن القفطی: تاریخ حکماء صفحہ ۹۶

کو ہے:۔ (۱)

" ولا تعریف کتاب الف فی علم من العلوم قدیمہا وحدیثہا فاشتمل علی جمیع ذلک العلم واحاط باجزاء ذلک الفن غیر ثلثۃ کتب: احدھا کتاب المجسطی ھذا فی علم ھیئۃ الافلاک وحرکات النجوم" (۲)

آخر میں سرجارج کارنوال لیوس "المجسطی" کی عظمت کے بارے میں کہتا ہے:۔

بطلیموس کی اس تصنیف کا نام جو تیرہ مقالوں پر مشتمل ہے ریاضیاتی نظام ہے مگر اپنے عربی نام المجسطی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب یونانی علم الہیئت کے دونوں پہلوؤں عملی اور سائنسی (نظری) کی سب سے مکمل اور اعلیٰ و ارفع طور پر غاہندگی کرتی ہے" (۱)

یہی وجہ ہے کہ فضلائے اسلام نے اپنی غیر معمولی عبقریت کے باوجود اس کتاب پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اُن کے تبحر و تبحر فی الفن کی معراجِ کمال یہی رہی کہ اس کتاب کے مسائل و

---

(۱) ابن لقفطی: تاریخ حکماء صفحہ ۱

(۲) کسی بھی علم میں قدیم ہو یا جدید، تین کتابوں کے علاوہ کسی اور کتاب کا پتہ نہیں ہے جو اس علم کے جملہ مباحث پر مشتمل ہو اور اس کے تمام اجزاء کو محیط ہو۔ ان میں سے ایک کتاب المجسطی ہے جو ہیئت افلاک اور حرکات نجوم کے علم میں ہے

(۳) "His (Ptolemy's) work in thirteen Books entitled. The Mathematical system and generally known by its Arabic title ALMAGEST, is the most complete and Advanced representation of the Greek Astromomy, book practical and scientific"

مباحث کو کما حقہ سمجھ لیں۔ اس سے زیادہ کسی نے جسارت نہیں کی۔ انہوں نے یا تو اس کے محتویات کی شرح وتفسیر پر کرہمت باندھی یا اس کے تلخیص و اختصار پر۔ (۱)

اس تفصیل سے یہ معما بھی حل ہو جاتا ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے اپنے ہندوستان پسندانہ رجحانِ طبع کے باوجود سدھانت کے متداول عربی ایڈیشن (السند ہند الکبیر) کو کیوں درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور کیوں اس کے ہوتے ہوئے بطلمیوس کی کتاب کے ترجمہ کا اتنا اہتمام کیا۔ نیز اسی عظمت سے متاثر ہو کر سدھانت کے ترجمہ کی اشاعت کے چالیس بعد......

محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے اس ہیئتی نظام کے نقائص کی المجسطی کی خوشہ چینی کے ذریعہ اصلاح کی، چنانچہ قاضی صاعد اندلسی نے لکھا ہے کہ اس نے "السند ہند" کے نئے ایڈیشن میں اوساط کواکب کے باب میں سدھانت کا تعدیلات کے باب میں "زیج شہریار" کا مگر آفتاب کے میل کلی Eclepticity of the San کے باب میں المجسطی کا تتبع کیا۔ (۲)

(تمام شد)

بقیہ تبصرہ صفحہ ۳۸۰ کا

جو وقتاً فوقتاً امیر خسرو کی شان میں لکھے گئے ہیں یا جن میں شاعر نے خسرو کے اشعار پر تضمین کی یا ان کا اردو منظوم ترجمہ کیا ہے اس میں شک نہیں کہ ان تمام نظموں اور قطعات کا (جن کی تعداد ۵ ہے) یکجا فراہم کرنا بڑا ہی مشکل کام تھا لیکن لائبہ صاحب کو خاندانی طور پر فارسی کے صوفی شعرا اور اردو زبان سے جو عشق ہے اس نے اس کام کو آسان کر دیا۔ امید ہے کہ اربابِ ذوق اس کی قدر کر کے نوجوان مرتب کی محنت اور شوق کی داد دیں گے

---

(۱) ابن القفطی: تاریخ الحکما، صفحہ ۹۶-۹۷

(۲) قاضی صاعد اندلسی: طبقات الامم۔